انتظار حسین کے افسانوں میں حیوانات کی علامات

محمد عمر حیات ☆

Abstract:

Intizar Husain is a prominent figure of Urdu fiction. He has written many novels and short stories that have gained a historical importance because of their contents as well as style. The speciality of his style is animal symbols . He has used many animal symbols in his short stories with mythological background. He often links these symbols with religious and spiritual experiences as well as mystical traditions.

ادب خصوصاً افسانوی اصناف میں جن علامات اور استعارات کو اسلوب کا ایک اہم ذریعہ بنایا گیا ہے ان میں حیوانات کی اہمیت خصوصی رہی ہے اگر چہ ان کی موجودگی سے کہانیاں مافوق الفطرت عناصر سے پُر ہو جاتی ہیں لیکن اگر ان کی علامتی حیثیت اور اسطوری حقیقت کو سمجھ لیا جائے تو کوئی چیز ماورائے فطرت نظر نہیں آتی بلکہ ادب میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہو جاتی ہے۔

حیوانی علامتیں انسان و معاشرہ کی باطنی کیفیتوں اور روحانی وارداتوں کی معرفت و پہچان کا نام ہے۔علامتوں کے بل بوتے پر لکھاری انسان کی باطنی دنیا کی سیر کر کے غیر شعور کو شعور کے دائرے میں لاتا ہے۔حیوانی علامتوں اور استعاروں کے ابتدائی آثار داستانوں میں ملتے ہیں۔چونکہ افسانہ درحقیقت داستان اور کہانی ہی کا ایک رُخ ہے اس لیے حیوانی علامتیں داستان سے سفر کرتی ہوئیں افسانے میں در آئیں۔کہانی اور افسانہ کے باہم تعلق کے متعلق ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں:

"دُنیا میں سب سے پہلے کہانی وجود میں آئی۔افسانے کی یہ ابتدائی شکل ہے۔"(۱)

آسمانی کتب قرآن مجید، انجیل مقدس اور دیگر مذہبی کتب کلیہ دمنہ، رامائن اور بدھ دور کی جاتک کہانیوں میں بھی جانوروں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔اسی طرح قدیم یونانی داستانوں میں حیوانی علامت کو برتا جاتا تھا۔ابوالہول کے نزدیک بادشاہ امن ہوتپ ثانی (۱۴۲۵ق۔م تا ۱۴۵۰ق۔م) کے ایام شہزادگی کی کہانیاں ملتی ہیں۔جن میں رتھ گھوڑوں کا ذکر ملتا ہے۔

شہرۂ آفاق کتاب "الف لیلہ"، مولانا جلال الدین رومیؒ کی "مثنوی معنوی" اور خواجہ فریدالدین عطارؒ کی "منطق الطیر" میں بھی حیوانی علامتوں کو استعمال کیا گیا ہے۔اردو ادب میں حیدر بخش حیدری کی "توتا کہانی"

☆ ایم۔فل اسکالر، رفاہ یونیورسٹی، اسلام آباد

، میرامن کی ''باغ وبہار'' اور دیگر داستانوں کے نام قابل ذکر ہیں۔

حیوانی علامتیں داستانوں کی گود میں پلی بڑھی ہیں۔ان علامتوں میں وقت کی کروٹ کے ساتھ ساتھ ارتقا بھی آتا گیا لیکن انتظار حسین کے ''جانورستان'' میں حیوانی علامتیں بامِ عروج پر پہنچ گئیں۔انتظار حسین سے قبل حیوانی علامتیں محض تلفنِ طبع اور وفا شناسی کی تصویر دکھائی دیتی تھیں۔(''باغ و بہار'' میں خواجہ سگ پرست کا ''کتا''، توتا کہانی کا ''توتا'' اس کی واضح مثالیں ہیں) لیکن انتظار حسین نے حیوانی علامات واستعارات کو محض تفریحِ طبع کے لیے نہیں بلکہ سبق آموزی، تعلیم اخلاق، روحانی ترفع، تزکیۂ نفس اور پند وموعظت کے لیے برتا ہے۔

انتظار حسین نے قیامِ پاکستان کے بعد افسانہ نگاری کے میدان میں قدم رکھا اور اردو کے جدید مختصر افسانے کا اہم نام ہیں۔جن کی افسانہ نگاری کا سفر اب تک جاری ہے۔انتظار حسین پچھلی نسل کے افسانہ نگاروں سے موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے منفرد اور ممتاز ہیں لیکن جب علامت نگاری کا آغاز ہوا تو اس طرز کی افسانہ نگاری کے پیش روشمار ہوئے اور بہت سے یادگار افسانے اردو ادب کو دیئے۔

انتظار حسین کے افسانوں کی علامتیں اس کے اپنے تہذیبی شعور کی پیداوار ہیں۔علامتی افسانہ نگاری کے سلسلے میں انتظار حسین نے مذہب، قدیم داستانوں، دیو مالا اور اساطیری کہانیوں سے مواد حاصل کیا اور انہیں مخصوص علامتوں کے ساتھ معاصر حالات پر بڑی خوب صورتی کے ساتھ منطبق کیا ہے۔انتظار حسین کی معنی خیز علامتوں کے افراد پورے معاشرے کے بھٹکے ہوئے افراد ہیں جو نفس امارہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر برائیوں کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں اور آدمی کی جون کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔

انتظار حسین نے حقائقِ زندگی کو بیک وقت دیو مالا، بیچ تنتر اور اسلامی اساطیری روایت کے تناظر میں دیکھا اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ان کا اظہار کیا۔

انتظار حسین کے موضوعات اور رجحانات میں تنوع ہے۔ان کے موضوعات میں ہجرت، مایوسی، ڈر اور خوف کی نفسیات، مذہبی اور اخلاقی اقدار کی شکست و ریخت، تقسیم ملک کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے سیاسی اور سماجی مسائل اور سب سے زیادہ ماضی کی بازیافت، تہذیبی و معاشرتی رشتوں کا احساس اور ان کے نتیجے میں انسان کا اس حد تک گر جانا کہ اس کا معیار انسانیت سے گر کر حیوان کی جون میں تبدیل ہو جانا شامل ہے اور ان کے موضوعات میں بیک وقت داستان، حکایات، مذہبی روایات، اولیائے کرام کے ملفوظات، قدیم اساطیر اور دیو مالا کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔

موضوعاتی اعتبار سے انتظار حسین کی افسانہ نگاری کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلا دور انتظار حسین کے افسانوں کے مجموعوں ''گلی کوچے'' اور ''کنکری'' پر مشتمل ہے۔یہ دور ماضی کی یادوں اور تہذیبی و معاشرتی رشتوں کے احساس پر مبنی ہے لیکن اس دور کی تمام مؤثر کہانیوں میں ہجرت کے تجربے نے کسی نہ کسی طرح ضرور راہ پائی ہے اور زمینی، تہذیبی اور معاشرتی رشتوں کے معدوم ہو جانے کا احساس بھی اس دور کے افسانوں میں موجود ہے۔ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

''اگر چہ ثقافتی رس اور مہک کے ساتھ مٹی بھی انتظار حسین کا عشق ہے تاہم ہجرت انتظار حسین کے لیے محض گلی کوچوں اور بستیوں کی خاک سے بچھڑنے کا مسئلہ نہیں، آباؤ اجداد کی یادگاروں، روایتوں اور رسموں سے بچھڑنے، تاریخ اور تہذیب کی شہادتوں سے منقطع ہونے اور اپنے تخلیقی وجود کی شکست وریخت کا معاملہ ہے۔''(۲)

دوسرا دور''**آخری آدمی**'' کے دور کے افسانوں کا ہے۔اس دور کے افسانوں کے موضوعات کا تعلق انسانی وجود کے ساتھ ہے۔اس دور کا بنیادی موضوع انسان کا روحانی زوال ہے جس سے شخصیت اندر ہی اندر سکڑنے لگ جاتی ہے۔انتظار حسین نے اس دور کے افسانوں میں آسمانی صحائف،قرآن پاک، عہدنامہ عتیق،کلیلہ دمنہ اور قدیم اساطیری روایتوں سے تمثیلات اخذ کر کے انسان کے روحانی واخلاقی پستی اور زوال کو بیان کیا ہے۔ سجاد باقر رضوی انتظار حسین کے اس دور کے افسانوں کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''انتظار حسین غالباً اردو کے پہلے افسانہ نگار ہیں جنھوں نے انسانوں کے اخلاقی و روحانی زوال کی کہانی مختلف زاویوں سے لکھی ہے۔''(۳)

اس دور کے افسانوں میں انتظار حسین کی علامت نگاری عروج پر دکھائی دیتی ہے۔

تیسرا دور''**شہر افسوس**'' کے افسانوں کا ہے۔اس دور کے موضوعات میں سیاسی وسماجی مسائل شامل ہیں اور تقسیم ملک کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے فسادات کو بھی بڑے احسن انداز میں بیان کیا ہے لیکن اس دور کا سب سے اہم موضوع ماضی پرستی "Nostalgia" ہے۔انتظار حسین مُڑ مُڑ کر پیچھے کی طرف دیکھتے ہیں اور سماج کے دکھ کو تمثیلی اور علامتی انداز میں بیان کرتے ہیں۔بقول ڈاکٹر انوار احمد:

''ماضی کی جانب جھانکتے جھانکتے انتظار بچہ بن جاتا ہے مگر یہ بچپن بھی خالص نہیں کہیں یہ اس کا، یا اس کے کم سن ساتھیوں کا ہے اور کہیں اس پاکستانی بچے کا، جسے ہر طرف مجمع بازاور نعرہ بازی دکھائی دیتے ہیں۔''(۴)

تیسرے دور کے افسانوں کے موضوعات میں جا بجا مکالموں اور صورتِ حال کے ذریعے کرداروں کے احساسات اور ذہنی کیفیات کے ذریعے اور تمثیلوں، حکایتوں اور علامتوں کے ذریعے انتظار حسین نے معاشرے پر تنقید وطنز کیا ہے لیکن یہ انداز ایک واضح سیاسی شعور اور عمیق سماجی ذمہ داری کی دین ہے۔

چوتھا دور''**کچھوے**''اور''**خیمے سے دور**'' کے افسانوں کا ہے۔انتظار حسین کے ادبی سفر کے چوتھے دور کا تعلق عہد وسطیٰ کے داستانی انداز سے ہے بلکہ اس سے بھی پیچھے عہد قدیم کی مختلف قسم کی اساطیری روایتوں کو باہم ملا دیا ہے بلکہ اسلوب وانداز بدھ دور کی جاتک کہانیوں، قصص الانبیا، عہدنامہ عتیق، ویدا اور قرآن مجید کے اجزا باہم ایک ہو کر کچھ ایسے رچاؤ کے ساتھ سامنے آئے ہیں کہ اس میں ہماری موجودہ سیاست اور تہذیب کی جھلک نظر آنے لگتی ہے۔

غرض کہ انتظار حسین کے موضوعات میں معاشرتی رویے، سماجی مسائل، انسان کا روحانی و اخلاقی زوال، ہجرت، تقسیم ملک سے پیدا ہونے والے فسادات، ماضی پرستی، اور بدھی جاتک کہانیوں کا امتزاج ہے۔

حیوانات کی معنویت کے تناظر میں اگرچہ اُن کے متعدد افسانوں پر جامع بات کی جا سکتی ہے تاہم اسی حوالے سے ''آخری آدمی''، ''زرد کتا''، ''کایا کلپ''، ''چیلیں''، ''کشتی''، ''ساتوں در'' اور ''ٹانگیں'' ایسے افسانے ہیں جو خصوصی تنقیدی توجہ کے متقاضی ہیں۔

'**آخری آدمی** ''انسانوں کے بندر بن جانے کی کہانی ہے جو سبت کے دن مچھلیاں پکڑتے تھے اور اپنے حرص و ہوس کے جذبے کی تسکین کرتے تھے۔ لالچ، مکروفریب اور غصے کے منفی جذبات کی وجہ سے اعلیٰ انسانی سطح سے حیوانی سطح پر اتر آئے۔ انتظار حسین نے ''آخری آدمی'' کا خمیر قرآن مجید سے اخذ کیا ہے جس کا ذکر سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۴۴۔۱۴۴ میں تفصیل کے ساتھ ملتا ہے اور اس افسانے کا اسلوب عہد نامہ عتیق کی فضا پیش کرتا ہے۔ ڈاکٹر آصف فرخی لکھتے ہیں:

> ''آخری آدمی'' اخلاقی زوال کی کہانی ہے جو ''قصص الانبیا'' کے انداز میں اور عہد نامہ عتیق کے اسلوب اور کرداروں کے ساتھ لکھی گئی ہے۔''(۵)

اس افسانے کا مرکزی کردار الیاسف ہے جو '**آخری آدمی** '' ہے اور اپنے علاقے کا سب سے دانا اور عقل مند ہے۔ وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ کہیں وہ بھی اپنے ساتھیوں کی طرح آدمیت کے درجے سے نہ گر جائے۔ اپنی جون کو برقرار رکھنے کے لیے وہ بہت جدوجہد بھی کرتا ہے تمام لوگوں سے (جو پہلے اس کی جون میں تھے) نفرت بھی کرتا ہے لیکن اپنے منفی جذبات پر قابو نہیں پا سکتا اور گڑھا کھود کر اسے نالی کے ذریعے سمندر سے ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ آخر کار الیاسف بھی خدا کا نافرمان ہو کر گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور بندر کی جون میں چلا جاتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''بھاگتے بھاگتے تلوے اس کے دکھنے لگے اور چپٹے ہونے لگے اور کمر اس کی درد کرنے لگی۔ وہ بھاگتا رہا اور کمر کا درد بڑھتا گیا۔۔۔۔الیاسف نے جھک کر ہتھیلیاں زمین پر ٹکا دیں اور بنت الاخضر کو سونگھتا ہوا چاروں ہاتھ پیروں کے بل تیر کے موافق چلا۔''(۶)

انتظار حسین نے علامتی انداز میں اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ انسان منفی خصائل، لالچ، مکروفریب، خوف، غصہ اور جنس کے ہیجانی جذبات سے بچنے کی خواہ کتنی ہی کوشش کرے لیکن وہ اپنی سرشت سے بچ نہیں سکتا۔ وہ مزید انکشاف کرتے ہیں کہ انسان اپنے نفس کے بہکاوے میں آ کر اخلاق کی تمام حدود و قیود پامال کر دیتا ہے۔ درحقیقت یہ انسان کے اخلاقی و روحانی زوال کی کہانی ہے جو انسان کو صراطِ مستقیم سے غافل کر کے گمراہی و ضلالت کی طرف لے جاتی ہے۔

سعدیہ ناہید اپنے ایم۔اے کے مقالے بعنوان ''انتظار حسین کی افسانوی نثر میں ناسٹیلجیا'' میں لکھتی ہیں:

''افسانے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ انسان کو انسان اور آدمی کو آدمی ہونا میسر نہیں کیوں کہ اس میں بہت محنت اور صبر و قربانی دینا پڑتی ہے اور اکثر انسان برائی کے جال میں پھنس کر گمراہ ہو جاتا ہے کیوں کہ صراطِ مستقیم پر چلنا انتہائی مشکل عمل ہے اور ہر کوئی اس راہ پر نہیں چل سکتا۔ دراصل انسان خطا کا پُتلا ہے اور اس کا نفس اسے بہکاتا ہے۔''(۷)

اس افسانے میں الیاسف کا کردار دوسرے افراد سے ممتاز ہے کیوں کہ وہ اپنی جون کو زیادہ دیر برقرار رکھتا ہے۔ الیاسف آج کے دور کا جیتا جاگتا کردار نظر آتا ہے جو جذبہ محبت، احساس اور ضمیر تک کو قربان کر کے اپنی جون برقرار رکھنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ آخر کار نفس کے بہکاوے اور بنت الاحضر کی محبت میں اس کی شکل مسخ ہو جاتی ہے اور وہ بندر بن جاتا ہے۔ انتظار حسین نے ''آخری آدمی'' کی زبان، اسلوب بیان اور کردار کے نام کو آسمانی صحائف بالخصوص قرآن مجید کی حکایت کے قریب رکھا ہے۔ افسانے کے پلاٹ کی ماورائی فضا اور واقعات کی مافوق الفطرت، قرآن کی حکایت کے بنیادی ڈھانچے کی مناسبت سے پیدا کی گئی ہے۔ انتظار حسین کی تشبیہیں اور استعارے سے زندگی کے نہاں خانوں میں چھپے ہوئے حقائق کو عیاں کرتے ہیں۔ یہ افسانہ اپنے تخلیقی مزاج کے اعتبار سے ایک گٹھی ہوئی تہہ دار اور علامتی نظم کی طرح اپنا اثر چھوڑتا ہے۔ اس میں علامت نگاری عروج پر ہے۔

''آخری آدمی'' اور ''زرد کتا'' میں معاشرتی و قومی انحطاط کی گھن گرج جا بجا سنائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر اورنگزیب عالمگیر رقم طراز ہیں:

''آخری آدمی'' اور ''زرد کتا'' سے انتظار حسین کا مضبوط مستحکم اخلاقی نقطۂ نظر ایک فکری رویے کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ''زرد کتا'' میں معاشرتی و قومی انحطاط و زوال کا سبب، کمزور اخلاقی شعور و احساس نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے۔''(۸)

''زرد کتا'' انتظار حسین کا شاہکار افسانہ ہے۔ اس افسانے کی تعمیر اولیائے کرام کے ملفوظات اور روایات پر ہوئی ہے۔ اس افسانے میں نفس امارہ جس کو زرد کتے کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اس کے شر سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ''زرد کتا'' میں نفس امارہ لومڑی کے بچے کی شکل میں آدمی کی ذات سے باہر آتا ہے اور دبانے، کچلنے سے زیادہ موٹا ہو جاتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''ایک چیز لومڑی کا بچہ ایسی اس کی منہ سے نکل پڑی۔ اس نے اسے دیکھا اور پاؤں کے نیچے ڈال کر روندنے لگا مگر وہ جتنا روندتا تھا اتنا وہ بچہ بڑا ہوتا جاتا تھا۔''(۹)

لومڑی کا بچہ انسان کا نفس ہے تاہم یہاں نفس سے مراد محض نفس نہیں بلکہ جبلتوں کا وہ سارا نظام ہے جو انسان کو مسلسل ایک کشمکش سے دوچار رکھتا ہے اور جب کسی فرد یا معاشرے کا عمل دخل حدِ اعتدال سے بڑھ جاتا ہے تو فرد یا معاشرہ شدید اختلافی و روحانی زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس افسانے میں مکالموں اور حکایتوں کو بڑے سلیقے سے ایک دوسرے کے ساتھ سمویا گیا ہے۔ اس افسانے کی پوری فضا اولیائے کرام کے ملفوظات کی ہے جو مختلف برائیوں کے حل مکالمے کی صورت میں آشکار کرتی ہے۔ مرید، شیخ سے سوال کرتا ہے اور شیخ ملفوظات اور

حکایات میں جواب دیتا ہے علامتی انداز میں کہانی ظاہر کرتی ہے کہ بدی ایک وبا کی طرح پھیلتی ہے اور فرد اپنی تمام کوششوں کے باوجود نفسِ امارہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کا شکار ہو جاتا ہے اور ''زرد کتا'' اس کو حرص و طمع کے راستے پر گامزن کر دیتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''یا شیخ! زرد کتا کیا ہے؟ فرمایا: زرد کتا تیرا نفس ہے۔ میں نے پوچھا: یا شیخ! نفس کیا ہے؟ فرمایا: نفس طمع دنیا ہے۔ میں نے سوال کیا: یا شیخ! طمع دنیا کیا ہے؟ فرمایا: طمع دنیا پستی ہے۔''(۱۰)

''زرد کتا'' کا مرکزی کردار شیخ عثمان ہے جو حرص و خوف کی نفی کی علامت ہے اس کی پرواز حرص اور خوف سے پاک باطن کی وجدانی و تخیلاتی بلندی کی علامت ہے اور سید رضی، ابومسلم بغدادی، شیخ حمزہ، ابوجعفر شیرازی، ابوالقاسم خوزی اور دیگر کردار اپنے مرشد کی تعلیم سے بہت زیادہ متاثر ہیں اور نفس امارہ سے بچنے کی روایات و حکایات کو اپنے مرشد کے ساتھ مکالمے کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔ انتظار حسین اس افسانے میں یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ روحانی انحطاط اور اخلاقی زوال کے لیے انسان کا بداعمال ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کی بدی اس کے ذہن سے شروع ہو جاتی ہے اور زرد کتے کی طرح پھولتی اور بڑھتی ہے۔ بندر، زرد کتا اور مکھی کی مثال ہم انسانوں میں موجود ہیں۔

''کایا کلپ'' کا بھی بنیادی موضوع انسان کا زوال ہے مگر مرکزیت خوف اور ڈر کو حاصل ہے جس سے شہزادہ آزاد بخت کی شخصیت اندر ہی اندر سکڑنے لگتی ہے اور بالآخر ہمیشہ کے لیے معدوم ہو جاتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''وہ دیر تک شش و پنج میں رہی کہ یہ کیا ہوا اور کیسے شہزادہ خود ہی مکھن بن گیا پھر اس نے اس پر اپنا منتر پھونکا کہ وہ مکھی سے آدمی بن جائے پر اس کے منتر نے آج کچھ اثر نہ کیا۔ شہزادہ آزاد بخت نے اس روز مکھی کی جون میں صبح کی۔''(۱۱)

''کایا کلپ'' کی کہانی مختصر ہے لیکن تاثر کے لحاظ سے کم نہیں۔ کہانی کی فضا داستانوں کی طرح ہے۔ انتظار حسین کے اس افسانے میں آج کے خوف زدہ انسان کی نفسیات کا عکس ہے۔

''ساتواں در'' انتظار حسین کے بہترین افسانوں میں سے ہے۔ یہ افسانہ انسان سے وابستہ دوسری دنیا کی عکاسی کرتا ہے جس میں اعتقادات و رسومات کی فضا دکھائی دیتی ہے۔ دو بچوں کو ایک پرانے مکان کی کنگنی میں کبوتر دکھائی دیتا ہے جو کبھی نظر آتا ہے اور کبھی آنکھ سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ بچپن کی یادداشتوں کا مفقود ہو جانا اور علم کا غائب ہو جانا ان دونوں بچوں کی معصوم انسیت کے لیے الم ناک حادثے ہیں اور پھر آخر میں کبوتری کا پکڑنا گناہ اولیس کی یاد دلاتا ہے۔ اس افسانے میں انتظار حسین علامتی اسلوب و رنگ سے گناہ اولیس کی حقیقت و کیفیت کو وا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

''کشتی'' انتظار حسین کا غیر معمولی فن پارہ ہے۔ اس افسانے میں تین بنیادی علامتیں ہیں طوفان، کشتی

اور مچھلی۔ یہ تینوں علامتیں قدیم روایتی تہذیب اور مذہبی روایات کے انتشار و تخریب کی چھب دکھائی دیتی ہیں۔ پہلی علامت ''طوفان'' معاشرتی انتشار کی دلیل ہے اور ''کشتی'' اس انتشار سے بچنے کے لیے محفوظ پناہ گاہ اور ''مچھلی'' نجات دہندہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

ڈاکٹر محمد کیومرثی اس افسانے کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

> ''کشتی'' میں انہوں نے ہندوستانی دیو مالا اور بابلی اساطیر و اسلامی روایتوں کو ملا کر نیا اسلوبیاتی تجربہ کیا ہے۔ انتظار حسین کے افسانوں میں ماضی کی یاد بھی نئی شکلیں اختیار کیے ہوئے ملتی ہے۔ معاشرتی اور تہذیبی پس منظر میں انہوں نے زندگی کی گزری ہوئی یادوں کو دہرا دیا ہے اور اس میں زندگی کے جذباتی نظام کے حقائق پر روشنی ڈالی ہے۔''(۱۲)

انتظار حسین کے ہاں علامتی رنگ میں بھی موضوعات کا تنوع ہے۔ ان کے ہاں علامتوں کا استعمال بہت خوب صورت ہے۔ وہ علامتوں کو استعاروں، جاتک کہانیوں، قدیم اساطیر اور دیو مالائی حکایتوں کی صورت میں اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ مشکل سے مشکل اور باریک بات بھی آسانی سے قلب و ذہن کا حصہ بن جاتی ہے۔ ان کے اسلوب میں تازگی اور سادگی کا امتزاج پایا جاتا ہے۔

ان کا افسانہ ''ٹانگیں'' جس میں انسانیت کو پستی کے عمیق گڑھے میں گرتے دکھایا گیا ہے اس میں انسانیت کی جون ؔچھل پائی اور بکری کی ٹانگوں میں تبدیل ہوتی ہے۔ انسان محض نفس کو تسکین دینے کے لیے روحانی سطح سے گر جاتے ہیں۔ ؔچھل پائی اور بکری کی ٹانگوں میں تبدیل ہونا دراصل روحانی انحطاط کی علامت ہے۔ قدیم ادب میں شہوت رانی کی علامت ہے۔ اس طرح کے اشارات قدیم داستانوں میں کثرت سے آتے ہیں۔ چہار درویش میں ایک شہزادی کی داستان میں چھلانس اور بکری کے پاؤں والے افسانوں کا ذکر ملتا ہے۔

''چیلیں'' ایک منفرد علامتی افسانہ ہے جو ہجرت کے تناظر میں رقم کیا گیا ہے۔ انتظار حسین نے اس افسانے میں ہجرت کے دنوں میں ان کرداروں پر طنز کیا ہے جنہوں نے بے بس انسانوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی ہوس کو پورا کیا۔ اپنی خواہشات کی تکمیل میں وہ یہ بھول گئے کہ وہ انسان نہیں رہے بلکہ چیلیں اور گِدھ بن گئے ہیں۔ اس افسانے میں انتظار حسین نے جس نوعیت کی پُراسرار منظر کشی کی ہے اسے منیر نیازی نے اپنی ایک نظم میں یوں مصور کیا ہے:

> جس کے کالے سایوں میں ہے وحشی چیتوں کی آبادی
> اُس جنگل میں دیکھی میں نے لہو میں لتھڑی اِک شہزادی
> اُس کے پاس ہی ننگے جسموں والے سادھو جھوم رہے تھے
> پیلے پیلے دانت نکالے نعش کی گردن چوم رہے تھے
> ایک بڑے سے پیڑ کے اوپر کچھ گِدھ بیٹھے اُونگھ رہے تھے
> سانپوں جیسی آنکھیں میچے خون کی خوشبو سُونگھ رہے تھے

یہاں سہیل احمد خان کی ایک نظم ''قصہ گو'' کا حوالہ بھی برمحل ہو گا۔ یہ نظم اگرچہ انتظار حسین کے لیے کہی گئی ہے لیکن نظم میں جس نوعیت کی فضا تشکیل دی گئی ہے اس میں شاعر انتظار حسین کے افسانے ''چیلیں'' سے بہت متاثر دکھائی دیتا ہے بلکہ یوں کہنا مناسب ہو گا کہ شاعر نے انتظار حسین کے فنِ افسانہ کو چیلیں ہی کے تناظر میں دیکھتے ہوئے اُس کے فکری آورش کی تصویر کھینچی ہے اور فطرتِ انسانی کا نوحہ پیش کیا۔

آؤ تمھیں سنائیں اِک شہر کی کہانی
اُس شہر پہ ہوئی تھی چیلوں کی حکمرانی
گلیوں میں لوگ گُم سُم حیران گھومتے تھے
ایسا عذاب آیا پتھر بھی ڈر گئے تھے
اُس شہر کی حدوں پہ یوں اُڑ رہی تھیں چیلیں
اُس شہر کا فلک ہی جیسے بنی تھیں چیلیں
چیلوں نے کر دیا تھا سب آسمان کالا
سائے سے اُن کے شاید سارا جہان کالا
بدوضع ہر عمارت ، بے سُود ہر مہارت
چیلوں کا رزق ہر شے سب محنتیں اکارت
قصہ ہے یہ پرانا یہ بات ہے پرانی
کیوں آ گیا، تمہاری آنکھوں میں سُن کے پانی

''برہمن بکرا''، ''نرالا جانور''، ''کچھوے''، ''پتے'' اور ''واپس'' یہ افسانے بدھ دور کی جاتک کہانیوں سے پیوست ہیں جن کا بنیادی موضوع اخلاقی زوال وانحطاط ہے۔ ان افسانوں کا اسلوب '**آخری آدمی** '' اور '' **زرد کتا**'' کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔

انتظار حسین کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے آج کے انسان کے اخلاقی اور روحانی زوال کے سلسلے کی ایک ایک کڑی کو اس طرح بیان کیا ہے کہ انسان کو اپنے اندر مکھی، زرد کتا اور بندر کی شکل صاف دکھائی دیتی ہے۔

دراصل خوف اور ڈر ہم انسانوں میں موجود ہے جو ہماری انسانی قوتوں کی کمزوری کے ساتھ ساتھ ہم پہ حاوی ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ ہم اپنا انسانی وجود کھو بیٹھتے ہیں۔ انتظار حسین نے ان تمام افسانوں کو جاتک کہانیوں اور داستانوں سے لیا ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> ''آخری آدمی، زرد کتا، کایا کلپ اور سوئیاں تو سراسر اساطیری اور داستانوی پیرائے میں لکھے گئے ہیں۔''(۱۵)

انتظار حسین کا ان افسانوں کو داستانوی پیرائے میں رقم کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم نفسِ امارہ کو خود پہ حاوی نہ ہونے دیں۔ ہوس اور مکر وفریب سے کام نہ لیں، اپنے اندر خوف اور ڈر کی مکھی پیدا نہ ہونے دیں۔

سجاد باقر رضوی لکھتے ہیں:

> ''اگر آپ اپنی ذات کے اندھیروں میں چھپے ہوئے بندر، زرد کتے اور مکھی کو دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ افسانے آپ کی مدد کریں گے اور انہیں دیکھے بغیر آپ اپنی انسانی سطح برقرار نہیں رکھ سکتے۔''(۱۲)

انتظار حسین نے بندر، زرد کتے اور مکھی کو علامتی انداز میں پیش کر کے انسان کو انسانیت کے اصل مقام و مرتبہ سے آشنا کیا ہے۔ انتظار حسین کے افسانوں میں جانوروں کی علامتی معنویت کو سمجھنے کے لیے زرد کتے کو پرکھنا ہو گا۔ انہوں نے علامت نگاری کو بامِ عروج تک پہنچا کر اردو افسانوی ادب کو نئے تخلیقی مزاج سے آشنا کیا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، **اردو داستان تحقیقی و تنقیدی مطالعہ**، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، مارچ ۱۹۸۷ء، ص ۵۲۷

۲۔ انوار احمد، ڈاکٹر، **اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ**، فیصل آباد: مثال پبلشرز، (نقش ثانی)، ۲۰۱۰ء، ص ۳۹۸

۳۔ انتظار حسین، **جنم کہانیاں**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۵۹۰

۴۔ انوار احمد، ڈاکٹر، **اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ**، ص ۴۰۳

۵۔ آصف فرخی، ڈاکٹر، **انتظار حسین: شخصیت و فن**، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء، ص ۴۶

۶۔ انتظار حسین، **جنم کہانیاں**، ص ۲۰۸

۷۔ سعدیہ ناہید، **انتظار حسین کی افسانوی نثر میں ناسٹیلجیا ، تحقیقی و تنقیدی مطالعہ**، (مقالہ برائے ایم ۔ اے)، فیصل آباد: جی سی یونی ورسٹی، ص ۱۲۱

۸۔ اورنگ زیب عالمگیر، ڈاکٹر، **انتظار حسین تحقیقی و تنقیدی مطالعہ**، لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۵ء، ص ۵۶

۹۔ انتظار حسین، **جنم کہانیاں**، ص ۲۰۹

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۱۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۸۴

۱۲۔ محمد کیو مرثی، ڈاکٹر، **اردو فارسی افسانہ تجزیاتی و تقابلی مطالعہ**، خیرپور: شعبہ اردو شاہ عبداللطیف بھٹائی، اپریل ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۳

۱۳۔ منیر نیازی، **کلیاتِ منیر** (نظم: جنگل کا جادو)، لاہور: گورا پبلشرز، ۱۹۹۴ء، ص ۶۵۰

۱۴۔ سہیل احمد خان، **اینک موسم کے پرندے**، لاہور: دستاویز مطبوعات، جون ۱۹۹۳ء، ص ۸۹، ۹۰

۱۵۔ انوار احمد، ڈاکٹر، **اردو افسانہ اینک صدی کا قصہ**، ۴۰۴

۱۶۔ انتظار حسین، **جنم کہانیاں**، ص ۵۹۸